شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا احسانی وعرفانی مقام

(تیسری اور آخری قسط)

جناب محمد ظفر اقبال

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے فیضانِ کرم سے کفار تک بہرہ ور تھے

مخلوق کی بلا تفریقِ مذہب وملت اور بلا تخصیصِ نسل ونسب محبت‘ اخلاقِ صوفیہ میں داخل ہے۔ اخلاقِ صوفیہ فی الاصل مشکوٰۃِ نبوت ہی سے ماخوذ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر باش رہنے والوں میں تربیت کے متعلق فرمایا گیا:

’’أفضلهم عندهٗ أعمهم نصيحةً، وأعظمهم عندهٗ منزلةً أحسنهم مواساةً ومؤازرةً۔‘‘(۱)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں افضل وہ مانا جاتا تھا جس کی خیرخواہی عام ہوا کرتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مرتبے کے لحاظ سے سب سے عظیم اور بڑھا ہوا وہ ہوتا تھا جو ہمدردیِ خلق اور لوگوں کی ذمے داریوں کا بار برداشت کرنے میں سب سے بہتر ہوتا تھا۔‘‘

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان ہی اوصاف سے موصوف تھے۔ ان کی آغوشِ شفقت مسلمان تو مسلمان‘ کفار تک کے لیے کھلی ہوئی تھی۔ مولانا محمود رام پوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ: ’’ایک مرتبہ میں اور میرے ساتھ ایک ہندو ایک مقدمے کے سلسلے میں دیوبند آئے، دیوبند پہنچ کر اس ہندو نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں ٹھہرو گے؟ میں نے کہا: میں مولانا [محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ] کے یہاں قیام کروں گا۔ وہ ہندو بولا کہ جی میں روٹی تو اپنے اقارب میں کھالوں گا، باقی سونے کے واسطے اگر کوئی چھوٹی سی چارپائی مجھ کو مل جائے تو وہاں ہی ٹھہر جاؤں گا۔ میں نے کہا: مل جائے گی، تو روٹی کھا کر آجانا۔ ایسا ہی ہوا، میں نے حضرت مولانا [محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ] کی بیٹھک میں ایک چارپائی اس کے لیے الگ بچھادی۔ ایک چارپائی پر [میں] لیٹ گیا، وہ ہندو تو پڑتے ہی سوگیا اور میں جاگ رہا تھا کہ حضرت مولانا دبے پیروں زنانہ مکان سے تشریف لائے اور اس ہندو کی چارپائی کی پٹی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے لگے، میں ایک دم چارپائی سے کھڑا ہوگیا اور جاکر عرض کیا: حضرت! چھوڑ دیں، میں دبا دوں گا۔ فرمایا کہ: یہ تمہارا حق نہیں، میرا مہمان ہے، یہ خدمت میرے ذمے ہے۔ میں نے اصرار کیا، اس پر فرمایا کہ: جاؤ! تم کون ہوتے ہو؟ گڑبڑ مت کرو، بے چارے کی آنکھ کھل جائے گی۔ بس وہ ہندو تو پڑا ہوا خرخر کر

رہا تھا اور مزاحاً فرمایا کہ ان کا مقدر تھا اور مولانا پاؤں دبا رہے تھے۔‘‘(۲)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ان واقعات کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ حقوق جو انسان پر قانوناً فرض نہیں ہیں، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اُنہیں باطن کے تصفیے اور روحِ تصوف کی تکمیل کے لیے خود پر اخلاقاً فرض کرلیا تھا۔ یہی عارفین سلف اور صوفیائے کاملین کا مابہ الامتیاز ہے جس کی عملی سیرت سنت کی اصطلاح میں ’’خُلُق‘‘ ہے۔

اشد ضرورت پر باطنی کمالات وتصرفات کا اظہار

ایسے عرفانی اوصاف اور احسانی کمالات کے حامل انسانوں کے قلب ولسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمہ وقت قبولیت ومقبولیت کا درجہ ومرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ حضرات ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بات کو خالی نہیں لوٹاتے، وہ خود کو خواہ کتنے ہی پردوں میں چھپائیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے حسنات اور کمالات کو عالم پر آشکارا کرکے ہی رہتا ہے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے واقعات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی قبولیت ومقبولیت کے اسی مقام پر فائز تھے:

’’مولوی کفایت اللہ صاحب سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور گنگوہ میں پرورش پائی تھی۔ مولانا [محمود حسنؒ] جس زمانے میں مالٹا میں تھے، ان [مولوی کفایت اللہ] پر اثنائے ذکر وشغل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی کہ خودکشی کی رغبت ہوئی تھی، مگر نہ کرسکے اور اس وجہ سے ایسے ضیق میں مبتلا تھے کہ مرجانا بہتر سمجھتے تھے، انہوں نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور مدد چاہی۔ حضرت نے حسب عادت انکسار کا جواب لکھا جس میں یہ فقرے بھی تھے کہ ’’حیرانم کہ بچہ دہقان را بچہ کار سپرانند‘‘ مجھے ایسے کام کے لیے اہل کیوں سمجھ لیا وغیرہ وغیرہ...... [آخر وہ حضرت (محمود حسنؒ) سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے] حضرت نے محبت سے پاس بٹھایا اور جب حاضرین چلے گئے تو ان کی طرف خطاب فرمایا کہ: تم نے کیا لکھا تھا؟ مجھے تعجب ہوا کہ جانتے بوجھتے تم ایسی بات لکھتے ہو! بھلا میں اس کا اہل کہاں؟ مولوی کفایت اللہ صاحب نے جرأت سے کام لیا اور کہا کہ: حضرت! اگر کوئی کہے کہ آپ اہل نہیں تو یہ آپ پر نہیں بلکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض ہے کہ انہوں نے آپ کو خلیفہ کیوں بنایا؟ آپ یقیناً اہل ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، چوں کہ میں نے اسی دروازے پر تربیت پائی ہے جہاں سے آپ کو سب کچھ ملا ہے، اس لیے میرا فرض تھا کہ اپنا دکھ درد عرض کردوں۔ اس پر حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر پوچھا کہ: اب کیا حالت ہے؟ عرض کیا کہ: کچھ نہیں۔ بعد عشاء بہ کمالِ شفقت حال سنا اور ذکر دوازدہ تسبیح میں کچھ ترمیم فرماکر ارشاد فرمایا کہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص کو یہی حالت پیش آئی تھی تو حضرت نے بھی یہی بتایا تھا جو

www.banuri.edu.pk

میں نے بتایا ہے، یہ کہیں کہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات مل جائے کہ درس تدریس میں لگیں، چھوڑا اس ذکر وشغل کو جس میں جان سے عاجز ہوگیا اور حضرت اصرار فرماویں کہ گھبراؤ مت، ذکر وشغل جاری رکھو، اور کرتے رہو جو کررہے ہو۔ یہاں تک کہ جب مکان تشریف لے جانے لگے تو فرمایا کہ: کتب خانے کے سامنے والے کمرے میں پچھلی رات کو بیٹھ کر اتنے زور سے بارہ تسبیح کرنا کہ میرے گھر تک آواز جائے اور پھر صبح کو نماز فجر کے بعد ارشاد ہوا کہ یہاں حجرے سے باہر مراقب ہوکر بیٹھ جاؤ۔ مولانا لکھتے ہیں کہ: اس وقت کی کیفیت ذکر میں نہیں آسکتی کہ اندر بیٹھے کیا کررہے تھے، پھر مجھے اپنا قلب زخمی نظر آتا تھا جیسے اس میں پیپ پڑگئی ہے اور میں محسوس کررہا تھا کہ حضرت اس کو اپنے دست مبارک سے صاف فرمارہے ہیں۔ بعض دفعہ میں چونک پڑتا اور پھر مراقب ہوکر بیٹھ جاتا تھا۔ بعد اشراق حضرت حجرے سے باہر تشریف لائے اور درس کے لیے تشریف لے چلے تو مجھے ساتھ لیا اور بخاری شریف کا سبق ہونے لگا۔ سبق میں مجھے وہ کیفیت نظر آئی کہ پھر نصیب ہونا مشکل ہے، میرا دل چاہتا تھا کہ حضرت تقریر کو طول دیں اور اس کے لیے حضرت کو چھیڑنے کی ضرورت تھی، لہٰذا میں نے اُلٹے سیدھے سوالات شروع کردیئے، پھر کیا تھا گویا سمندر میں تلاطم آگیا۔ حضرت نے ایک ایک سوال کے کئی کئی جوابات دینا شروع کیے اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ اس جواب کو کتابوں میں تلاش مت کرنا، یہ جواب کتابی نہیں۔ بعض دفعہ میں اشکال پیش کرتا تو اس کا جواب دے کر فرماتے کہ یہاں ایک دوسرا اشکال اور ہے جس سے شراح نے تعرض نہیں کیا اور اس کے بعد وہ اشکال مع جواب خود ارشاد فرماتے۔ غرض وہ حال جاتا رہا اور طبیعت میں سکون پیدا ہوگیا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے ٹکٹ تھانہ بھون کا لیا تھا، فرمایا کہ اچھا جاؤ، مگر واپسی میں کم از کم یہاں کے واسطے رکھنا کہ ابھی خامی باقی ہے۔ چناں چہ واپسی بجائے ایک دن کے دو دن حضرت کے پاس قیام کیا اور جو خامی مجھے محسوس نہ ہوتی تھی وہ محسوس ہونے لگی کہ جب نماز فجر کے بعد حضرت کے حجرے کے باہر مراقب ہوکر بیٹھتا تو معلوم ہوتا کہ قلب میں کوئی چیز بھری جارہی ہے جس سے دل میں سکون وقوت اور راحت معلوم ہوتی۔ غرض اول حاضری میں زخم قلب کو آلائش سے پاک صاف فرمایا اور دوسری میں زخموں کو مندمل کیا اور آئندہ مرہم پٹی سے مستغنی اور بے نیاز بنادیا، اللہ جزائے خیر دے حضرت کو، میری ایسی دست گیری فرمائی کہ جس کا شکریہ تمام عمر ادا نہیں ہوسکتا۔‘‘ (۳)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت: باب ایمان میں شکوک کا یقین واطمینان میں تبدل

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں خود اپنی آپ بیتی

کے تحت ایک لرزا دینے والا عبرت آموز واقعہ بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دورۂ حدیث کے سال میں نہ جانے کیوں مولانا گیلانیؒ ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے متعلق نعوذ باللہ! بہت سے شبہات اور بدگمانیوں میں مبتلا ہوگئے تھے۔ یہ شبہات اور بدگمانیاں مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق دن بہ دن بڑھ رہی تھیں: ''گویا بدگمانیوں کی ایک آگ تھی جو معلوم ہوتا تھا کہ میرے باطن میں بھڑک اٹھی ہے، دو گھنٹے عموماً ترمذی شریف کا درس مسلسل جاری رہتا اور ایک سیاہ کار، سیاہ سینہ ان دو گھنٹوں کے اندر ان ہی شکوک وشبہات کی آتشیں لہروں میں جلتا بھنتا رہتا، ہر حدیث میرے لیے بدگمانی اور سوئے ظن کا چقماق گویا بنتی چلی گئی۔ دماغ صرف ہرزہ اندیشوں اور یاوہ بافیوں کا کارخانہ بنا ہوا تھا۔'' الغرض مولانا گیلانیؒ کی ایمانی کیفیت دن بہ دن ایسے رو بہ زوال تھی کہ ''محسوس ہو رہا تھا کہ دین کی مرکزی چٹان ہی سے پاؤں، العیاذ باللہ! پھسل رہا ہے'' کہ اچانک قدرت نے دست گیری فرمائی۔ مولانا گیلانی' دیوبند کے امی رکن حضرت امیر شاہ صاحب مینڈھوؒ کی معرفت اپنے درد کے مداوا اور ایمان کی سلامتی کی غرض سے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حضرت امیر شاہؒ نے تعارف کراتے ہوئے کہا: آپ کے شاگرد ہیں، کچھ عرض کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ مولانا گیلانیؒ نے خلوت میں اپنے دل کا دکھڑا نہایت ہی رقت آمیز اور دردانگیز کیفیت سے بیان کیا، یہ سن کر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> ''مولوی صاحب! آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ اپنا یہ حال جب آپ کے لیے اتنا ناگوار ہے، تو یہ بے ایمانی کی نہیں ایمان کی دلیل ہے، ایمان نہ ہوتا تو ان حالات میں اتنا پریشان ہی کیوں ہوتے؟۔''

مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''بعد کو یہ مضمون خود نبوت کے ارشادات میں بھی ملا، لیکن پہلی دفعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ اس طرح نکلے کہ دل میں معلوم ہوتا تھا کہ کچھ تھا ہی نہیں، طمانیت اور بشاشت کی لہریں میرے چہرے پر کھلنے لگیں۔ یہ دیکھ کر تب ارشاد ہوا: ''آپ نے کہاں کہاں اور کیا کیا پڑھا ہے؟'' اپنی تعلیمی روداد سنائی گئی، زیادہ وقت قدیم فلسفہ اور منطق کے پڑھنے میں صرف ہوا ہے۔ یہ معلوم کر کے فرمانے لگے: ''جو کچھ آپ کچا پکا نگلتے چلے گئے ہیں، اب وہ سب کچھ باہر نکل رہا ہے، پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔'' شاید بے اختیار گریے کے ساتھ عرض رسا ہوا کہ حضرت! میرے لیے خواہ کچھ بھی ہو، اب یہ حالت ناقابل برداشت ہے۔ میرے لیے اس قسم کے وساوس واوہام کسی حیثیت سے بھی ہوں ناقابل تحمل ہیں، میری زندگی خطرے میں ہے، اب خواہ دنیا مانے یا نہ مانے، لیکن اپنے ذاتی تجربے کا میں کیا کروں؟ جواب میں فرمایا گیا: ''مولوی صاحب! جاؤ اب کوئی شبہ اور کسی قسم کا شک تم کو نہ ہوگا۔'' یہ یا اسی کے ہم معنی الفاظ تھے۔ آج سے تقریباً ۴۰ رسال پہلے اللہ کے ایک برگزیدہ دوست کی مبارک زبان سے یہ بات نکلی۔ خاکسار، اس کا دماغ، اس کا دل، اس کی زندہ

شہادت ہے کہ اس طویل عرصے میں، بحمد اللہ! پھر کسی قرآنی آیت، یا کسی نص نبوی میں کسی قسم کا شبہ اب تک تو پیدا نہیں ہوا..... گویا کوئی کیل ٹھونک دی گئی ہے۔‘‘(۴)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی پشتی بانی: اَخلاف کے لیے ایقان کا مینارۂ نور

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا بے نظیر حافظہ واستحضار، بے مثل علمی تبحر، رسوخِ کامل اور وسعت نظر اپنوں ہی نہیں پرایوں میں بھی مسلم ہے۔ شاہ صاحبؒ تو خیر آفتاب علم تھے، ان کے درس وتقریر سے ایسے باکمال افراد ہندوستان کے مطلع پر ضیاء بار ہوئے جن کی نظیر ممکن نہیں۔ غور فرمایا جائے کہ کیا حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ علم ومرتبہ اور طلبہ کے لیے درسی ایقان کا منبع ہونا صرف حضرت شاہ صاحبؒ کی اکتسابی اور ذاتی باطنی کیفیت کا مظہر تھا یا اس کے پیچھے کسی ولیِ کامل کی پشتی بانی بھی کارفرما تھی؟ جس وقت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سفر پر روانہ ہونے لگے جس میں اسیر مالٹا ہوکر جانے کی نوبت آئی، اس وقت:

’’علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجود یہ کہ ترمذی کا سبق پڑھانے کے لیے آکر بیٹھ گئے تھے، عبارت بھی پڑھ دی گئی تھی۔ [مولانا انور شاہؒ نے] مفارقتِ حضرت [شیخ الہندؒ] کے غم میں کچھ نہ فرمایا، بلکہ ذرا دیر توقف فرما کر کتاب بند کردی اور حضرت [شیخ الہندؒ] کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اس وقت چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت خاموشی سے جاکر بیٹھ گئے اور حضرت [شیخ الہندؒ] کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے چمٹا لیا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تکلف سے کام نہ لیا، یوں ہی رہنے دیا، فرمایا! ’’شاہ صاحب! آپ کو میری موجودگی میں شبہات پیش آتے تھے، میں نہ رہوں گا تو شبہات پیش نہ آئیں گے، اور اگر آئیں بھی تو قدرت رہ نمائی کرے گی۔ جاؤ! خدا کے سپرد! سبق پڑھاؤ‘‘۔(۵)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس روحانی تصرف اور پشتی بانی سے مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو خود تو کیا شبہات پیدا ہوتے، وہ دوسروں کے لیے شبہات کے ازالے اور تصفیے کا تریاق بن گئے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقریر کے کمالات اور اثرات کے ذیل میں اپنے پہلے ہی دن کے تأثرات کو ایک جملے میں یوں سمو دیا ہے:

’’[شاہ صاحبؒ کی تقریر کا] پہلا دن تھا، جس میں قرآن کے بعد دین کا سارا بنیادی نظام میرے لیے قطعی ویقینی ہوگیا۔‘‘(۶)

اس اطمینان وایقان کی گواہی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین، تلامذہ اور احباب سب ہی نے دی ہے۔

متذکرہ واقعات تو لوگوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف واپس لانے سے متعلق تھے۔ ایک واقعہ ایسا بھی ملاحظہ کیجیے جس میں ایک گستاخ کو اس کے انجام بد سے ڈراتے ہوئے توبہ کی تلقین کی گئی تھی، لیکن اس نے اپنی گستاخی سے خود پر ہدایت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کرلیا اور ایمان سے محروم ہوگیا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تنبیہ: احمد احسن امروہوی کا انجام بد

مرحوم مولانا محمد حسین بٹالوی اپنے عہد میں ردِّ تقلید اور حمایتِ اہل حدیث کی ایک ''پُر شور'' آواز تھے، انہوں نے برعظیم کے تمام اہل سنت و جماعت احناف کو ایسے دس مسائل کا انتخاب کر کے چیلنج دیا کہ اگر احناف اِن مسائل کے اثبات میں کوئی آیت، یا کوئی حدیث صحیح صریح قطعی الدلالۃ پیش کر دیں تو مولانا بٹالوی فی آیت اور فی حدیث ۱۰ روپے انعام دیں گے۔ گویا مولانا بٹالوی کے زعم میں ان دس مسائل میں اہل سنت کے پاس کتاب وسنّت سے کوئی دلیل موجود نہیں تھی۔ اس چیلنج کے باعث ایک طرف جہاں علمائے احناف کی تحقیر وتذلیل ہوئی وہیں دوسری جانب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تجہیل بھی لازم آئی۔ ظاہر ہے یہ تعلّی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کو سخت ناگوار ہوئی، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت واشارے سے اس اشتہار کا جواب ''ادلۂ کاملہ'' کے نام سے دیا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ منتظر رہے کہ مولانا بٹالوی اس کے جواب میں قلم اٹھائیں۔ مولانا بٹالوی نے تو اس کا جواب نہیں دیا، بالآخر جواب دہی کے لیے ایک ایسے صاحب کا انتخاب ہوا جو اپنی زبان کی تیزی اور قلم کی کاٹ میں طاق ہونے کے باعث حلقۂ اہل حدیث میں ''احسن المناظرین والمتکلمین'' کے لقب سے جانے جاتے تھے، ان کا نام محمد احسن امروہوی تھا۔ امروہوی موصوف نے ''ادلۂ کاملہ'' کا جواب ''مصباح الادلہ لدفع الادلۃ الذلہ'' کے نام سے لکھا۔ مولانا بٹالوی نے خود جواب لکھنے سے پہلو تہی فرماتے ہوئے امروہوی صاحب کی کتاب کو ''لاجواب اور جواب باصواب'' قرار دیا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعلان کے بعد ''مصباح الادلۃ'' کا جواب ''ایضاح الادلہ'' کے نام سے تحریر فرمایا جس میں جابہ جا محمد احسن امرہوی کی لسانی گستاخیوں اور قلمی بے احتیاطیوں پر تنبیہ فرمائی۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''[مصنف مصباح الادلہ] بعض مواقع میں اپنے جوش میں بے باکانہ کلماتِ تکفیر بول اُٹھے ہیں۔''(۷)

ایک مقام پر امروہوی صاحب کی گستاخیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مجتہد صاحب ماشاء اللہ مسلم ہیں، گو بدفہم اور متعصب وکج طبع اور ہرچند عباد صالحین وعلمائے دین کی شان میں گستاخ اور مقلدِ طریقۂ رفاض ہیں اور اگرچہ تکفیر مومنین میں معتزلہ وخوارج کے شاگرد ہیں اور یہ امور گو یقیناً سخت خوف ناک ہیں اور سببِ خذلان وہلاکت۔''(۸)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ الفاظ تحریر فرمائے ہوں گے، اس وقت ان کے حاشیۂ گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ وہ کوئی پیشین گوئی فرمارہے ہیں۔ آپ کا مقصد امروہوی صاحب کو اکابر کی شان میں گستاخیوں پر تنبیہ اور اس کے خوف ناک انجام سے ڈرانا تھا، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ امروہوی صاحب کے متعلق شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اشارہ کردہ جملے ''باعثِ خذلان وہلاکت'' پورے ہوئے۔ امروہوی صاحب غیر مقلدیت

سے ترقی کر کے مرزا قادیانی کے حلقۂ ارتداد میں داخل ہوگئے۔ اندازہ کیجیے! وہ شخص جس کے نزدیک امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی لائق تقلید نہیں تھی وہ مرزا غلام احمد قادیانی جیسے کاذب پر ایمان لاکر اس کی اقتدا کرنے لگا۔ مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی بھی نمونۂ عبرت بن گئی، امروہوی صاحب مرزائیوں کی بھیک اور خیرات کے دست نگر ہوگئے۔ مرزا قادیانی کے مجموعہ اشتہارات نمبر:۸۷ پر درج ہے:

''اس وقت ضروری طور پر اپنے دوستوں کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اخویم مکرم حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب جو اس وقت مقام بھوپال محلّہ چوبدار پورہ میں نوکری سے علیحدہ ہوکر خانہ نشین ہوگئے ہیں، بوجہ تکالیفِ عسر ہمدردی کے لائق ہیں .....لہٰذا ہر ایک بھائی کی اپنے اپنے مقدرت کے موافق توجہ درکار ہے۔''(۹)

اس کے بعد مرزا قادیانی نے ان بائیس افراد کی فہرست دی ہے جنہوں نے مرتد احمد احسن امروہوی کو دو آنے سے پانچ روپے ماہ وار خیرات دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک نے دو آنے کا، دس آنے کا، چار آنے کا، دو نے آٹھ آنے کا، پانچ نے ایک روپے کا، تین نے دو روپے کا اور ایک نے پانچ روپے کا وعدہ کیا۔ یہ کل ۲۹ ر روپے دو آنے کی رقم ہوئی جس کا ۲۲ ر افراد نے وعدہ کیا۔ اور مرزا غلام قادیانی نے ''ھل من مزید'' کی غرض سے اشتہار جاری کیا۔ مرزا جو ''رئیس قادیان'' کہلاتا تھا خود اپنے پلّے سے سو پچاس روپے بہ آسانی بھجواسکتا تھا، ورنہ اپنے دو تین مال دار مریدوں کو کہہ کر احمد احسن امروہوی کی کفالت کا ذمے دار ٹھہرا سکتا تھا، لیکن اتنی ارزاں اور حقیر سی بات کے لیے باقاعدہ اشتہار کے اجراء سے فی الاصل قدرت کو مرزا کی خست اور احمد احسن کی ذلت کا اشتہار دلوانا مقصود تھا۔ یہ تھا وہ انجامِ بد جس کی طرف شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا: ''باعث خذلان و ہلاکت''۔ بالفاظ دیگر ائمہ ہدیٰ کی شان میں گستاخیوں کا یہی وہ انجام تھا، جس کی طرف شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ''سبب خذلان و ہلاکت'' کہہ کر تنبیہ فرمائی تھی۔

واقعات ونقول کی فہرست بہت طویل ہے، بہ طور خلاصہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر اعتبار سے بڑا بنایا تھا۔ اگر ایک طرف شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے علم وفضل کے اعتبار سے محدث جلیل، تالیف وتصنیف کے پہلو سے ادیب اریب، سیاست و جہاد کے لحاظ سے مجاہد عظیم، اذکار وعبادات کے رخ سے صوفی باصفا نظر آتے تھے تو دوسری طرف بندگانِ خدا پر شفقت، بے نفسی وفنائیت، فروتنی و عاجزی، دنیا سے نہایت استغنا کے ساتھ ایک گونا تعلق، اکرام ضیف، اساتذہ وشیوخ ہی نہیں، ان کی اولاد، بلکہ اولاد کی اولاد کے ساتھ بھی اساتذہ کی نسبت سے احترام وتعلق کے معاملے، اور طالبان علوم پر شفقت ورافت ایسے عصر حاضر میں عنقا اوصاف وکمالات ہیں جس نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عہد میں، ''عباد الرحمٰن'' کا مظہر کامل بنادیا تھا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اس جامعیت وکاملیت کو آپ کے مقتدا

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق ایک ہی جملے میں سمو کر بیان کر دیا ہے:

''طریق سلوک میں اصل مقصود احسان ہے، سو بفضلہٖ تعالیٰ حاصل ہے۔''(۱۰)

احسان وعرفان کی یہی وہ کیفیت تھی کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے علم وعمل کا جامع بن کر تا زندگی انسانی حیات کے مختلف گوشوں کو معمور ومنور کیا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دو بحورِ علم واحسان نے مل کر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو تیار کیا تھا۔ اور پھر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ''کارخانۂ علوم'' بن کر ہندوستان کو علم وفضل، وعظ وارشاد، افتا وتصنیف، دعوت وجہاد اور مناظرے ومکالمے کے لیے بے مثل اور لافانی رجال کار عطا کیے۔ آپؒ کی تربیت وتاثیر سے ہر فرد، فرق مراتب کے باوصف، اپنے وقت کا ''شیخ الہند'' بنا۔ بالفاظِ دیگر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور مسترشدین میں جس کو جس فن سے مناسبت اور اہلیت تھی ''نسبت محمودی'' اس کے ظرف کے مطابق اس میں ضرور منتقل ہوئی۔ یہ نسبت وتعلق ایسا ہی ہے جیسا سورج کا اس کی کرنوں سے ہوتا ہے۔ سورج کی ہر ہر کرن اپنی تابانی میں آفتاب ہی کا فیض ہوتی ہے۔ آفتاب ان تمام شعاعوں سے ماورا ہونے کے باوجود اپنی کرنوں سے مربوط اور متعلق بھی رہتا ہے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے چیدہ چیدہ اوصاف وکمالات کا فیض ان کے اخلاف وتلامذہ میں ان کے اپنے اپنے پیمانے اور ظرف کے مطابق منتقل ہوا، لیکن ان مختلف النوع اور متنوع بلکہ متضاد ومتبائن اوصاف کی جامع شخصیت ایک ہی رہی: شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ۔

در پسِ آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند

آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

''کارکنانِ قضا وقدر نے مجھے طوطی کی طرح آئینے کے پیچھے بٹھا رکھا ہے۔ جو کچھ بھی معلم ازل کہتا ہے میں وہی بولتا ہوں۔''

(انتہیٰ)

حوالہ جات

۱:......محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ، الشمائل المحمدیۃ، بیروت: دار الحدیث، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ:۱۶۲۔

۲:......اشرف علی تھانویؒ، ملفوظات حکیم الامتؒ، جلد:۲، صفحات:۲۰۶-۲۰۷، ملفوظ:۲۸۵۔

۳:......محمد زکریا سہارن پوریؒ، آپ بیتی، جلد:۲، صفحات:۱۰۰۶-۱۰۰۸۔

۴:......مناظر احسن گیلانیؒ، احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، کراچی: مکتبہ عمر فاروق، ۲۰۱۱ء، صفحات:۱۰۸-۱۱۲۔

۵:......محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہ الامت، جلد:۱، صفحات:۱۰۸-۱۰۹۔

۶:......مناظر احسن گیلانیؒ، احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، صفحہ:۶۱۔

۷:......محمود حسنؒ، ایضاح الادلہ، دیوبند: مطبع قاسمی، [س-ن] صفحہ:۵۔

۸:......ایضاً، صفحہ:۳۹۳۔

۹:......مرزا غلام احمد قادیانی، مجموعہ اشتہارات، ربوہ: الشرکۃ الاسلامیہ، [س-ن]، جلد:۱، صفحہ:۳۳۷۔

۱۰:......قاری محمد طیبؒ، ''پچاس مثالی شخصیات''، مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، جلد:۷، صفحات:۴۲۹۔

(انتہیٰ)